ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.1 (2025)
(January to March)

"ذوق وشوق" کی منتخب شروح کا تقابلی مطالعہ

Comparative Study of Selected Interpretations of "Zauq-o-Shauq"

ڈاکٹر طارق الیاس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج اصغر مال، راولپنڈی

Dr. Tariq Ilyas
Assistant Professor, Department of Urdu, Government Graduate College Asghar Mall, Rawalpindi

Abstract:
The poetry of Muhammad Iqbal represents a coherent system of thought aimed at the intellectual and spiritual revival of the Muslim community and at directing it toward new possibilities and horizons. In this context, Iqbal experimented with various established poetic genres, while his long poems in particular hold significant importance due to the profound synthesis of thought and artistic expression. The study also seeks to explore how critics and commentators with differing intellectual orientations have interpreted the same literary work from multiple perspectives.In this regard, the interpretations offered by scholars such as Ghulam Rasool Mehr, Yousuf Saleem Chishti, Nishtar Jalandhari, Abu Naeem Abdul Hakim,Abdul Rasheed Fazil, Arif Batalvi, Faiz Muhammad Jalandhari, Asrar Zaidi, Khwaja Muhammad Zakariya, and Khwaja Hamid Yazdani will be analyzed. Their commentaries on the poem *Zauq-o-Shauq* will be comparatively reviewed in order to understand the diverse interpretive approaches applied to a single poetic text and to highlight the multidimensional nature of Iqbal's thought.

Keywords: Zauq-o-Shauq, Interpretations, Exegesis, Kāẓimah, Koh-e-Aḍam, Taylasān, comparatively reviewed

علامہ اقبال نے فارسی اور اردو کی کم و بیش تمام مروجہ اصناف میں طبع آزمائی کی، کلیات اقبال میں غزلوں اور قطعات کے ساتھ ساتھ مختصر نظمیں، کرداری نظمیں، خطابیہ نظمیں، مکالماتی نظمیں، مرثیے اور طویل نظمیں موجود ہیں، طویل نظمیں اقبال کی دیگر اصناف کی نسبت زیادہ نمایاں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں فکر و فن کا حسین امتزاج ہے، شمع و شاعر، خضرِ راہ، طلوع اسلام، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، والدہ مرحومہ کی یاد میں" اور ساقی نامہ ان کی طویل نظموں کی ممتاز مثالیں ہیں مسجد قرطبہ اور "ذوق و شوق" اقبال کی فکر و فن کے اعتبار سے بلند تر درجہ رکھتی ہیں۔ مسجد قرطبہ میں حمدیہ جبکہ ذوق و شوق نعتیہ رنگ ہے، علامہ اقبال کی اصطلاح کا سہارا لیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ مسجد قرطبہ جلال اور "ذوق و شوق" جمال کی مثال ہے۔ فکر و فن کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ دونوں نظمیں اردو شاعری کو آفاقیت عطا کرتی ہیں بعض ناقدین کے خیال میں ذوق و شوق کا شعری مرتبہ مسجد قرطبہ سے زیادہ ہے مگر اس بات پر قریباً اتفاق ہے کہ ان دو نظموں سے بڑی شاعری اردو میں وارد نہیں ہو سکی ان دونوں نظموں میں یہ قدر بھی مشترک ہے کہ یہ

دونوں نظمیں بالترتیب دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد فلسطین اور ہسپانیہ کی سیاحت کے دوران تخلیق ہوئی ہیں۔

جیسا کہ ''ذوق وشوق'' کے حوالے سے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اس نظم میں نعتیہ رنگ ہے مگر نعت گوئی کے مروجہ روایت اور اسلوب سے یکسر مختلف ہے حضور ﷺ کی ذات کو مرکز بنا کر امت مسلمہ کی صورت حال سے عقل و نگاہ و دل کو منور کیا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری کا اعجاز ہے کہ وہ حقائق کو مرکزیت کیساتھ ذہنی سطح تک لے جاتے ہیں انکی تصاویر بنا کر آنکھوں کو دکھاتے ہیں پھر حقائق کو یکسو کر کے احوال کی طرح قلب کو منور کرتے ہیں اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اقبال کی شعری واردات پڑھنے والے کے ذہن کی تشفی، آنکھوں کی تسکین اور قلب کے اطمینان کا باعث ہوتی ہے اس نظم میں معنوی وسعت ہے اس لیے مختلف ناقدین کی توجہ کو جذب کیا اس نظم کی تشریح اور تعبیر کے حوالے سے ماہرین اقبال نے بالِ جبریل کی شرح لکھتے ہوئے اس نظم کی شرح کی ہے، امت کی زبوں حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے رسولِ کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو مرکز بنا کر جہاں مدح رسول کا ذکر آیا وہاں اس نظم کو خصوصی طور پر زیر بحث لایا گیا ہے، تیسرا درجہ اس نظم کی تعبیر کا یہ ہے کہ علامہ اقبال کی مختلف نظموں کے خصوصی مطالعات کیے گئے ہیں اور جس مقدار اور معیار کے ساتھ خصوصا اقبال کی نظموں کے خصوصی مطالعات کیے گئے ہیں اردو تنقید میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ،ان خصوصی مطالعات میں ذوق وشوق کے متعدد مطالعات یا تجزیات کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ جہاں کسی شاعر کی تشریح و تعبیر متعدد شارحین اور ناقدین نے کی ہو وہاں ضروری ہو جاتا ہے کہ مختلف نظریات وخیالات کے حامل ناقدین اور شارحین نے کسی ایک ہی تخلیق کو کن مختلف زاویوں سے دیکھا ہے، ذوق وشوق کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں اور مختلف کتب میں ذکر کے ساتھ خصوصی مطالعات بھی کثرت سے ملتے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ ان مختلف اذہان کی تعبیر و شرح کا الگ الگ یا تقابلی جائزہ لیا جائے۔

بالِ جبریل کی باقاعدہ پہلی شرح غلام رسول مہر نے 'مطالبِ بالِ جبریل' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں لکھی جس کی اشاعت کا اہتمام شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے کیا۔ اس کتاب کا منظرِ عام پر آنا تھا کہ اس کے یکے بعد دیگرے کئی اڈیشنز شائع ہوئے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ کتاب چھپی ان دنوں اقبال کی فکر پر مجموعی طور پر تو بہت کچھ لکھا جارہا تھا مگر کلامِ اقبال کی شرح کی طرف غلام رسول مہر پہلی بار باقاعدہ طور پر متوجہ ہوئے تھے۔ انھوں نے اس سے پہلے 'مطالبِ بانگِ درا' کے نام سے اقبال کے اردو کلام کے پہلے مجموعے کی شرح بھی لکھ چکے تھے۔ 'مطالبِ بالِ جبریل' کے بعد 'مطالبِ ضربِ کلیم' شائع ہوئی اور بعد ازاں 'مطالبِ کلامِ اقبال اردو' کے نام سے اردو کلام کی تمام شروح یک جا کر دی گئی ہیں۔ انھوں نے شرح کا کیا انداز اپنایا اس لیے ہم انھی سے رجوع کرتے ہیں:

> ''تشریح میں مطالب کا ایسا انداز اختیار کیا گیا کہ کتابیں زیادہ ضخیم نہ ہونے پائیں اور اشعار کا مفہوم بخوبی ذہن نشیں ہو جائے۔ چنانچہ مشکل الفاظ و تراکیب اور اشعار کے معنوی محاسن کی توضیح کے علاوہ مسائل کے متعلق بھی ایسے اشارے جابجا کر دیے گئے ہیں کہ خوانندگانِ کرام ان سے بہ طریقِ احسن مستفید ہو سکیں۔ کوشش برابر یہ رہی ہے کہ اقبال کے مفہوم میں اپنی طرف سے کوئی آمیزش نہ ہونے پائے۔'' (۱)

'ذوق وشوق' کی تشریح میں انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر مولانا نے تشریح جس قدر جامع انداز میں پیش کی ہے اس میں بہت کم تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ نظم کے پس منظر اور اقبال کے ۱۹۳۱ء کے سفر کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ 'ذوق و

شوق' جس منظر نامے کے تحت تخلیق ہوئی ہے یہ اجمالی جائزہ اس کا بالکل متحمل نہیں تاہم مستقبل کے تمام شارحین وناقدین کے لیے یہ باتیں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں جو مولانا مہر نے واضح کی ہیں۔ نظم کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر کی قائم کردہ رائے ایک معیار تھی جو آج تک جھٹلائی نہ جا سکی۔ آدھ صفحے کے پس منظر میں جہاں اور بہت سی ضروری باتیں شامل ہیں وہاں چند مسلّمہ آرا کی نشان دہی بے حد ضروری ہے جس کی وجہ سے 'ذوق وشوق' کی فکر اور موضوع کا تعین ہو جاتا ہے۔ ایک تو یہ نظم اقبال کے ۱۹۳۱ء کے سفر کے مشاہدات اور تجربات کے زیرِ اثر تخلیق ہوئی۔ دوسرا یہ کہ نظم کے پہلے بند میں دو اہم تلمیحات 'کوہِ اضم' اور 'کاظمہ'، 'قصیدہ بردہ شریف' سے مستعار لی گئی ہیں جس کی وجہ سے نظم کے ابتدائی بند میں عربی شاعری کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ تیسری اہم رائے ہے کہ یہ نظم عشقِ رسول ﷺ میں لکھی گئی ہے۔ 'ذوق وشوق' کے متعلق مولانا غلام رسول کی یہی مستند باتیں جو بعد کے تمام شارحین وناقدین کے لیے مشعلِ راہ بنی رہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ نظم کے شروع میں شیخ سعدی کا ایک شعر بھی درج ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے اس کے بارے میں صرف اتنا بتایا ہے کہ یہ سعدی کا شعر ہے مزید اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ سعدی کی کس کتاب سے ماخوذ ہے! حتیٰ کہ اس کا ترجمہ تک شامل نہیں کیا گیا۔

ہر بند کی تشریح الگ گئی ہے اور تشریح سے پہلے اس بند میں شامل مشکل الفاظ کے مطالب اور تلمیحات کی وضاحت کی گئی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا غلام رسول کے پیشِ نظر طلبا بھی تھے۔ اس کے بعد ہر شعر کی ترتیب وار تشریح کی گئی ہے ۔ کس شعر کی کتنی وضاحت کرنی ہے یہ بھی مولانا غلام رسول مہر ہی طے کرتے ہیں۔ یہاں میں ضروری سمجھتا ہوں کے 'ذوق وشوق' کا پہلا شعر اور مولانا کی تشریح مثال کے لیے پیش کرتا ہوں۔

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں (۲)

شرح: "بیابان میں صبح کا سماں دل اور نظر کو زندگی بخشتا ہے۔ سورج کے چشمے سے نور کی ندیاں نکل کر بہنے لگتی ہیں۔" (۳)

درج بالا شعر کی یہ تشریح کسی طور بھی مکمل نہیں ہے۔ بلکہ اسے تشریح نہیں کہا جائے گا یہ اس شعر کو نثر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مولانا کے ہاں تشریح میں اس طرح کا ادھورا پن اکثر قاری کے لیے مشکلات کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ مولانا غلام رسول مہر نے زیادہ تر اختصار سے کام لیا ہے مگر اس اختصار کے باوجود اکثر ایسے اشارے بھی چھوڑ جاتے ہیں جو نظم کے موضوع کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں، مثلاً

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اِضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں (۴)

شرح: "رات کا بادل رخصت ہو گیا اور اپنے پیچھے لال اور نیلی بدلیاں چھوڑ گیا۔ ان بدلیوں نے اضم پہاڑ کو رنگا رنگ چادر پہنا دی۔ اس شعر سے واضح ہے کہ شاعر مدینہ منورہ کے گرد ونواح کا منظر پیش کر رہا ہے۔" (۵)

اگرچہ تشریح بے حد مختصر ہے مگر اس کے بعد صرف اتنا کہہ دینا کہ اس شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر مدینہ منورہ کے گرد ونواح کا منظر پیش کر رہا ہے، یہ وہ بلیغ اشارہ ہے جس سے نظم کے پورے بند کے موضوع کا تعین ہو جاتا ہے اور قاری کے لیے نظم کی فکر تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ درج بالا مثالوں ہم مولانا کے بارے میں ہر گز یہ طے نہیں کر سکتے کہ انھوں ہر شعر کے لیے اسی

اختصار کا سا انداز اپنایا ہے بلکہ بعض اشعار کی جامع و مکمل تشریح بھی کی گئی ہے جس میں قاری کے لیے مزید کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ ملاحظہ:

آگ بجھی ہوئی اِدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں (۶)

تشریح: ''مسافر چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا، جہاں ایک طرف راکھ تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ یہاں قافلے والوں نے کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی۔ وہ رخصت ہو گئے تو آگ بجھ گئی۔ دوسری طرف کچھ ٹوٹی ہوئی رسیاں دکھائی دیں۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ یہاں اس سے پہلے بھی قافلے ٹھہر چکے ہیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ محبت والوں کی عام گزر گاہ ہے۔ خدا جانے اہلِ عشق کے کتنے قافلے یہاں سے گزر چکے؟''(۷)

پیش کی گئی تشریح میں فکری اعتبار شعر کو مکمل طور پر سمجھا دیا گیا ہے۔ مگر کس شعر کی تشریح کتنی کرنی ہے یہ بات مولانا مہر خود ہی طے کرتے ہیں اور اس لیے اکثر اشعار میں محسوس ہوتا ہے مولانا مہر کو مزید بھی لکھنا چاہیے تھا۔ ادب کا قاری اور کسی شارح سے رکھے نہ رکھے مگر مولانا مہر جیسے اقبال شناس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر سکتا تھا۔ البتہ ہر بند کے آغاز میں اہم یا ضروری لفظوں کے معانی کو مولانا غلام رسول مہر نے وضاحت سے پیش کیا ہے اور اس میں اشعار ہی کو مد نظر کو رکھا گیا ہے ''مولانا مہر کی شرح مفصل نہیں مختصر ضرور ہے مگر معلومات سے خالی نہیں۔ انہوں نے اشعارِ اقبال کے اندر رہ کر تفہیم اقبال کی کوشش کی ہے ''(۸) جیسے ''اضم'' کے بارے میں جہاں یہ بتایا ہے کہ حجاز کا ایک پہاڑ جو مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تقریباً ایک منزل پر واقع ہے، وہاں اتنا تک بتا دیا ہے کہ ''قصیدہ بردہ شریف'' کے دوسرے شعر میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح ''کاظمہ'' کے لغوی مطلب سے ساتھ ساتھ مرادی مطالب کی توضیح بھی کر دی گئی ہے۔ لفظوں کے مطالب کی طرف توجہ کی جائے تو بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کمی مولانا غلام رسول مہر کی تشریح میں محسوس ہوتی ہے وہ ان الفاظ کی وضاحت میں بہت حد تک رفع ہو جاتی ہے۔ جیسے

> ''قافلہ ہائے رنگ و بو'' کی وضاحت اس طرح کی ہے ''لفظی معنی رنگ و بو کے قافلے۔ رنگ سے اشارہ بظاہر ان لوگوں کی طرف ہے جو دینی شان و شکوہ کی طرف مائل ہوں اور بو سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے۔ جن کا ذوق روحانی ہوتا ہے۔ یعنی مردانِ حق۔ جلوتیانِ مدرسہ: ظاہری علوم پڑھنے والے۔ خلوتیانِ مے کدہ: ذکر و فکر اور روحانیات میں مگن رہنے والے۔'' (۹)

مولانا غلام رسول مہر نے نظم کے بعض بندوں کے بارے میں مجموعی طور پر ایک آدھ جملہ ایسا بھی کہ دیا ہے جو اس بند کی فکری کڑیوں کو ملانے میں بہت حد تک معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً انھوں نے دوسرے بند کے بارے میں کہا کہ اس کا آخری شعر عشقِ حق پر ختم ہوا تھا۔ اب عشق کی جانب خطاب ہے لیکن یہ خطاب عشق کی بجائے محبوب کی طرف ہو گیا ہے۔ اسی طرح چوتھے بند میں کہا ہے کہ اب براہِ راست محبوب سے خطاب ہے اور محبوب حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مزید براں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے ہر شعر کی تشریح مختصر ہی کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایسے اشعار کی تعداد بھی کم نہیں جن کی تشریح طویل اور مناسب ہے دوسرے اور چوتھے بند کے اکثر اشعار کی وضاحت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔

مولانا غلام رسول مہر کی تشریح میں جس چیز کو شدت سے محسوس کیا تھا وہ تھا مہر کا اس نظم کے فنی محاسن سے صرفِ نظر کرنا ہے۔ اقبال کی تمام شاعری میں بالعموم اور بالِ جبریل کی شاعری میں بالخصوص فن کے جو جواہر نچھاور ہوئے ہیں ان کی مثال اردو

ادب میں کم کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ رہی بات 'ذوق وشوق' کی تو یہ جہاں اپنے دامن میں فکر کی گہرائی و گیرائی رکھتی ہے وہاں فنی طور پر بھی اس کا ہر مصرع بقعہ نور ہے۔ مگر 'مطالبِ بالِ جبریل' پہ اگر غور کریں تو مولانا غلام رسول مہر اس نظم کے فنی لوازم کو مکمل طور پر فراموش کیا ہے، یہی وجہ ہے ان کی تشریحی میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ "مہر کے ہاں طول کلامی تو کہیں نہیں مگر اختصار اس قدر ہے کہ وضاحتیں تشنگی کا احساد لاتی ہیں" (۱۰)

شارحینِ غالب و اقبال میں ایک بڑا نام پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا ہے، انہوں نے اقبال پر جو کچھ بھی لکھا ہے مکمل خلوص اور پوری ذمہ داری سے لکھا ہے۔ اقبال کے فارسی اور اُردو کے تمام شعری کتب کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان کی تحریر کردہ کتاب "شرح بال جبریل" اقبال کی روایت میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کا مضبوط اور ضخیم مقدمہ لکھ کر بہت سے مسائل حل کیے ہیں۔ اس میں بال جبریل کا مکمل تعارف، بال جبریل کی خصوصیات حتیٰ کہ بال جبریل کے عنوان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یوسف سلیم چشتی نے "ذوق وشوق" کی شرح اس نظم کے مکمل تعارف اور پس منظر کے ساتھ کی ہے جس میں انھوں نے ابتداء میں ہی یہ طے کر دیا ہے کہ یہ نظم دراصل نعتِ رسول مقبول ﷺ ہے اس لیے اس کا ہر شعر عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہے۔ یوسف سلیم چشتی کا انداز ملاحظہ ہو:

> "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاحتِ فلسطین کے دوران میں اقبالؒ کے دل میں زیارت گبند خضرا کا ارمان چٹکیاں لے رہا ہو گا اس لیے ہر شعر محبتِ رسول ﷺ کا رنگ جھلک رہا ہی"۔ (۱۱)

اس کے بعد یوسف سلیم "ذوق" اور "شوق" کی الگ الگ وضاحت کرتے ہیں جس میں وہ "ذوق" کی لغوی حیثیت واضح کرنے کے بعد اس تصوف کی اصطلاح میں ایک روحانی ملکہ کو قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے ایک سالک حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے جبکہ وہ "شوق" عشق و محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ذوق وشوق کی معنوی حرمتیں کھولنے کے بعد اس نظم کے ہر بند کا مختصر مگر جامع تعارف لکھتے تھے اس کے بعد ہر بند کی علیحدہ علیحدہ تشریح کا آغاز کرتے ہیں۔ یوسف سلیم چشتی کی شرح ایک بہترین مثال اور عمدہ نمونے کی شرح ہے جس میں ہر شعر پر مکمل اور مفصل بحث کی گئی ہے کہ قاری کے لیے کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ ہر شعر کا مکمل پسِ منظر اور ہر اصطلاح ور ترکیب کی وضاحت موجود ہے۔ جب کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے جب وہ اس شعر پر پہنچتے ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اگر چہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ شعر ہے جس کا مطلب بیان کر کے اس کی معنوی خوبیوں کا بیان کیا جائے گا۔ بہر حال اقبال نے یہ شعر لکھ کر اپنا نام نظامی، خسرو اور جامی فہرست میں لکھوا لیا ہے۔ مزید وہ لکھتے ہیں:

> "اس شعر کا دوسرا مطلب جو میرے مسلک کے مطابق ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ ہی اگر نہ ہوتے تو نہ لوح ہوتی نہ قلم ہوتا اور نہ کتاب ہوتی۔ اور آپ ﷺ کی شان کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ یہ آسمان جس کے طول و عرض کا کچھ پتہ نہیں

ہے آپ ﷺ کے محیط وجود کے سامنے اس کی حقیقت ایسی ہے جیسے سمندر کے
مقابل میں ایک بُلبلا"(۱۲)

ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری نے "موج سلسبیل" کے نام سے بالِ جبرائیل کی شرح لکھی ہے۔ فاضل شارح نے "ذوق وشوق" کی تشریح و توضیح انہی خطوط پر کی ہے جو عام طور پر اس دور میں لکھی گئی شروح میں نظر آتی ہے۔ ماحصل کے زیرِ عنوان "ذوق وشوق" کا ابتدائیہ لکھا ہے جو از حد مختصر ہے۔ سعدی کے شعر کے ترجمے کے بعد اتنا ہی لکھا ہے کہ یہ نظم پانچ بندوں پر مشتمل ہے پہلے بند میں مدینہ منورہ کے آس پاس کی ایک دل نواز صبح کے حسین منظر کی تصویر کھینچی گئی ہے دوسرے بند میں جہانِ اسلام کی پستی اور کسمپرسی پر رنج والم کا اظہار کیا گیا ہے۔ باقی تین بندوں میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ مذکورہ شرح میں "ذوق و شوق" کے ہر بند کی تشریح علیحدہ علیحدہ تو ہے مگر کسی بند کی وضاحت نہیں کی گئی۔ ہر شعر کی تشریح سادہ اور عام فہم الفاظ میں کی گئی ہے البتہ کہیں کہیں تشنگی کا شدید احساس ہوتا ہے اور کہیں کہیں تفصیل بحث کی گئی ہے۔ چوتھے بند کے پانچویں شعر کی تشریح دیکھیے

"آپ کی نگاہ لطف و کرم سے عقل و عشق دونوں نے اپنا اپنا مقصد حاصل کر لیا
ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مدعا سے دور رہ کر اسے تلاش کرتی رہے۔ اس نے
اپنی یہ مراد پالی۔ عشق چاہتا ہے کہ معشوق چہرے سے پردہ اُٹھا کر اس کے سامنے
آجائے اور وہ اس کی آتش جمال سے تڑپنے لگے۔ اس کی مراد بھی حاصل ہو گئی
یعنی آپ ہی کے طفیل سے ہر چیز کا دلی مدعا پورا ہو گیا۔"(۱۳)

درج بالا مثال میں جو تشریح پیش کی گئی ہے وہ نسبتاً آسان شعر کی ہے اسی بند کے تیسرے شعر میں سنجر و سلیم جیسے بادشاہوں کا ذکر ہے اور حضرت جنیدؒ اور حضرت بایزیدؒ جیسے اہل فقر کا بیان ہے وہاں ان بزرگوں کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئی۔ باشاہ سلیم کے بارے میں صرف اتنا بتا پاتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کا مشہور بادشاہ ہے تھا۔ اسی شعر میں تین اور بڑی شخصیات کا ذکر ہے جن پر کسی طرح کی کوئی تفصیل موجود نہیں۔

اقبال کی شہرہ آفاق نظم "ذوق وشوق" کی تشریحات میں سید محمد عبد الرشید فاضل کی تحریر کردہ "شرح بال جبریل" ادارہ تنویرات علم وادب کراچی کے زیر اہتمام ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ "ذوق وشوق" کی تشریح کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰۸ سے شروع ہوتی ہے۔ آغاز میں عبد الرشید فاضل نے اس نظم کا پس منظر انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے جو قریباً قریباً تمام شروح میں مشترک ہے۔ اس کے ایک ایک بند اور ہر بند کے تمام اشعار پر علیحدہ علیحدہ بات کی ہے۔ مشکل الفاظ کی الگ سے وضاحت نہیں کی گئی ہے جبکہ انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ شرح سابقہ شروح کی نسبت جامع ہو گی۔ البتہ عربی اور فارسی سے وہ حوالے بھی شامل کیے ہیں۔ ایک بات جو ان کی اس شرح کے بارے میں کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ شارح نے "بال جبریل" کی مشکلات حل کرنے کے لیے قلم اُٹھایا ہے مگر ان کی تشریح کہیں کہیں خود اتنی مشکل ہو جاتی ہے جس کے لیے الگ سے فرہنگِ اقبال کی ضرورت پڑتی ہے۔ "ذوق وشوق" کے چھٹے بند کی تشریح سے ایک مثال دیکھیے:

"اقبال نے مذاق کو باعث افزائش درد و ووز اور وجہ پختگی عشق قرار دیا ہے اور
وصل کو خاتم آرزو اور ناپختگی و خودی کا سبب بتلایا ہے اور یہ ان کا ایک مستقل

موضوع ہے جس کو انہوں نے طرح طرح سے بیان کیا ہے اور ہر دفعہ ایک
خاص ندرت کے ساتھ "(۱۴)

"ذوق وشوق" شارحین میں ایک نام ڈاکٹر عارف بٹالوی کا بھی ہے۔ ان کی کتاب "شرح بال جبریل" ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آئی۔ عارف بٹالوی کے خیال میں کلامِ اقبال کی جتنی بھی شرحیں لکھی جاچکی ہیں وہ کاروبار کی حدود سے آگے اپنا کوئی منفرد مقام نہیں رکھتیں۔ اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک منفرد مقام کی حامل شرح لکھنا چاہتے تھے۔ عارف بٹالوی اپنے دعویٰ میں کس قدر پورے اُترے ہیں یہ "ذوق وشوق" کی شرح کے جائزے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

"ذوق وشوق" اقبال کی ایک اہم ترین نظم ہے۔ اس نظم میں فکر اقبال کے چند خاص گوشے پیش ہوئے ہیں ان میں سب سے اہم عشق رسول ﷺ کا والہانہ اظہار ہے۔ اس اہم ترین نظم کی شرح بھی اس کے بقدر ہونا لازم ہے مگر عارف بٹالوی نے "ذوق و شوق" کی شرح میں بے حد اختصار سے کام لیا ہے۔ بعض عمیق اور دقیق اشعار کی تشریح بھی اس قدر کم کی گئی ہے کہ شعر کے مفہوم تک واضح نہیں ہو پاتا۔ ویسے تو ہر ادبی تحریر کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے بالخصوص اقبال کی نظمیں تو کسی نہ کسی منظر کی نمائندہ ہوتی ہیں۔ ان میں "ذوق وشوق" بھی اپنا ایک خاص پس منظر رکھتی ہے۔ اس پس منظر کو سمجھے بغیر اس نظم کی تفہیم ممکن نہیں مگر ڈاکٹر عارف بٹالوی نے اس کے پس منظر میں ایک سطر لکھنا بھی گوارا نہ کیا بلکہ براہ راست اشعار کی تشریح شروع کر دیتے ہیں جن کے بارے میں بتایا جاچکا ہے کہ بے حد مختصر ہوتی ہے مثلاً وہ پہلے بند کے بالترتیب تیسرے اور چوتھے شعر کی شرح میں لکھتے ہیں:

"رات بادل برسا صبح ہوئی تو بادلوں کے ٹکڑے سورج کی شعاوں سے سرخ سرخ
نظر آرہے تھے۔ کوہِ اضم دھلا ہوا چمک رہا تھا۔۔۔۔ بارش کی وجہ سے فضا دھل
گئی صاف وشفاف ہوگئی درخت، شاخیں اور پتے بھی دھل گئے۔ کاظمہ کے گرد و
نواح کی ریت سرخ ریشم کی طرح نظر آنے لگی"۔(۱۵)

درج بالا مثال سے ایک تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان اشعار کی اس قدر مختصر تشریح کسی طور پر بھی ان کے شایان شان نہیں دوسرا ان اشعار میں "کوہِ اضم" اور "کاظمہ" ایسے الفاظ ہیں جن کی تفصیل بیان کیے بغیر ان اشعار کی معنویت واضح نہیں ہو پاتی۔ فیض محمد فیض لدھیانوی کی شرح لذت پرواز اکتوبر ۱۹۹۵ء میں اشاعت پذیر ہوئی، ذوق و شوق کی شرح کرتے ہوئے لدھیانوی نے نظم کا تعارف اور س منظر نہیں لکھا تاہم لفظ "ذوق و شوق" کی وضاحت کے لیے اتنا ہی طویل نوٹ تحریر کیا ہے جتنا کہ نظم کے پس نظر اور موضوع کے متعلق لکھا جانا چاہیے تھا، ذوق کے مترادف الفاظ میں مزہ، چسکا، لطف، لذت اور ذائقہ جبکہ شوق کے معنی دلچسپی، دُھن ، چاؤ اور رغبت وغیرہ تحریر کیے ہیں، اور مفہوم کو انتہائی سادہ مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے

"ایک شخص کا دل پلاؤ کھانے کو چاہتا ہے جب وہ کھاتا ہے تو اسے کچھ مزہ نہیں
آتا کیونکہ بیماری کے باعث اس کے منہ کا ذائقہ بگڑ چکا ہے۔ ہم کہیں گے کہ اس
شخص کو پلاؤ کا شوق تو ہے لیکن ذوق نہیں اس کے برعکس ایک شخص کو پلاؤ کھانے
کی رغبت نہیں لیکن جب وہ کھاتا ہے تو اسے بڑی لذت حاصل ہوتی ہے۔ ہم
کہیں کے کہ اس شخص کو پلاؤ کا شوق نہیں لیکن ذوق ضرور ہے۔ ان دونوں کے
علاوہ ایک تیسرا شخص ایسا ہے جسے پلا دکھانے کا چاؤ بھی ہے اور اسے کھاتے

ہوئے لطف بھی خوب اٹھاتا ہے۔ اس شخص کے متعلق ہم کہیں گے کہ وہ بڑے ذوق و شوق سے پلاؤ کھاتا ہے ۔ اسی طرح علم کا ذوق و شوق بھی ہوتا ہے۔ مصوری کا بھی موسیقی کا بھی، شاعری کا بھی۔، صنعت و حرفت کا بھی عبادت کا بھی، عرفان کا بھی، سیاحت کا بھی، شکار کا بھی، تجارت کا بھی وغیرہ۔ امید ہے کہ اب علامہ کی زیر تشریح نظم کے عنوان ذوق وشوق کا مطابق بخوبی سمجھ گئے ہوں گے"(۱۶)

وضاحت کے لیے دی گئی مثال لفظ ذوق وشوق کی وضاحت تو کرتی ہے مگر اس کو نظم کے موضوع اور مرکزی خیل کے ساتھ مربوط کرنا چاہیے تھا، شارح نے الفاظ کی الگ سے لغت نہیں کی تشریح کرتے ہوئے متبادل الفاظ استعمال کیے ہیں ان کے سامنے قوسین میں نظم میں شامل الفاظ لکھ دیے گئے ہیں، مثال کے طور پر جنگل (دشت)، سورج کے سوتے (چشمہ آفتاب)، جمال خداوندی، (حسن ازل)، ہستی کا حجاب (پردہ وجود)، پھٹ گیا ہے (چاک ہے)، رات کا بادل (سحاب شب) خوبصورت چادر (طیلساں) ک، خیمے کی ٹوٹی ہوئی رسی (طناب)، قافلے (کارواں) نغمہ (نوا) اور باجے کی تار (رگ ساز) بجانے والے (صاحب ساز) وغیرہ جیسے پیش کیے جاسکتے ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر متبادل بھی دیے جاسکتے تھے، مزید وضاحت کے لیے ایک فارسی شعر (فرصت کشمکش مدہ۔۔۔۔) کی شرح دیکھیے:

"اس بے چین دل کو چھینا جھپٹی کی مہلت (فرصت کشمکش) نہ دے بلکہ اس کی بے چینی کو بڑھانے کے لیے تو اپنی چمک دار زلفوں میں ایک دو پیچ (شکن) زیادہ کر دے (اپنے حسن کی زیبائش سے میرے اضطراب میں اضافہ کر دے)"(۱۷)

اسرار زیدی کی شرح بال جبریل متن اور شرح کے ساتھ ۲۰۰۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی جس میں الفاظ کی تشریح نثار اکبر آبادی نے کی جب کہ الفاظ کے مفاہیم و شرح اسرار زیدی کی ہے، نظم کے تعارف میں روایتی انداز میں اقبال کے دورہ فلسطین کا ذکر ہے اور بال جبریل کی اہم نظموں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ نظمیں ایسی ہیں جنہوں نے اقبال کو اقبال بنایا ہے تاہم مسجد قرطبہ کی بجائے سہواً مسجد غرناطہ لکھا گیا ہے۔ اشعار کی شرح مقدار کے اعتبار سے تسلی بخش ہے تاہم اپنی دانست کے مطابق دیگر شارحین اس اختلاف اور تنقید بھی نظر آتی ہے مثلاً ایک شعر (آئی صدائے جبریل، تیرا مقام ہے یہی۔۔۔ اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی) کی شرح کرتے ہوئے دیگر شارحین سے اختلاف کیا ہے اور نام لیے بغیر ایک شارح کی تاویل سے اختلاف کیا ہے۔

"اس کے قرین قیاس یہ ہے کہ اس شعر میں اقبال نے اس علاقے کی جنگجو اور معرکہ آرائیوں کے پس منظر میں ان فوجی قافلوں اور عساکر کی نشاندہی کی ہے۔ میدان مبارزت میں جاتے ہوئے جنہوں نے یہاں عارضی طور پر قیام کیا لیکن پھر افراتفری میں اس طرح روانگی اختیار کی کہ چغے لپیٹتے ہوئے ان کی طنابوں کے ٹوٹنے کی پروا بھی نہیں کی۔ گذشتہ ایک صدی کے دوران فلسطین اور اس

علاقے کے لوگوں کو جس محاذ آرائی سے واسطہ رہا وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

اقبال نے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔"(۱۸)

فاضل شارح نے اقبال کی فلسطین میں موجودگی اور فلسطین کی جدوجہد آزادی اور غیر یقینی صورت حال کو مد نظر رکھ کر شاید یہ تاویل کی ہے مگر دیگر شارحین نے اس مقام کو مدینہ سے منسوب کیا ہے اس کے کئی اسباب ہیں۔ اولاً تو بند کے آغاز میں ہی کاظمہ اور کوہ اضم کا ذکر فلسطین میں قیام کے باوجود مدینے کی طرف توجہ جاتی ہے دوسرا استدلال یہ ہے کہ مذکورہ دونوں الفاظ (کاظمہ اور کوہ اضم) قصیدہ بردہ شریف کے تتبع میں کہے گئے ہیں جو خاص مدینے اور رسول کریم ﷺ کی مدح میں تشبیب میں شامل ہیں، زمانہ جاہلیت کی شاعری (سبع معلقات) میں امرالقیس کا مشہور قصیدہ لامیہ کی تشبیب کو ذہن میں لایا جائے تو اندازہ ہوگا کہ عرب قصیدہ نگاری میں تشبیب سے مراد عہد شباب کو یاد کرنا ہے اور یہ روایت تھی کہ قصیدے کی تشبیب میں محبوب اور محبوب سے تعلق رکھنے والی چیزیں ، جس جگہ پر محبوب سے ملاقات ہوئی وہ کھنڈرات ، خیمے کی طنابیں، بجھی ہوئی آگ ، اندرائن، ہرنوں کی مینگنوں کا ذکر موجود ہے جو امرالقیس کے قصیدے کے بعد عرب قصیدہ نگاری میں فروغ پا چکا تھا، جس کا تتبع امام بصیری کے قصیدہ بردہ شریف میں بھی ہے، یوسف سلیم چشتی نے اشعار کا حوالہ بھی دیا ہے۔ دوسرا اہم اختلاف نظم کے اس بند کے آغاز میں ہے (لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب) میں شاعر کا مخاطب کون ہے پوری نظم کو بالعموم اور اس حصے کو بالخصوص نعتیہ یا مدح رسول کے زمرے میں رکھا جاتا ہے مگر فاضل شارح یہاں تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں۔

> "نظم کے اس بند میں جو چھ اشعار ہیں ان کا مطالبہ کسی حد تک تذبذب کو جنم دیتا ہے کہ شاعر نے عملاً یہ بات واضح نہیں کی کہ ان اشعار کا مخاطب کون ہے۔ تذبذب اور شک وشبہ کی فضا نے اس لئے جنم لیا کہ بظاہر یہ اشعار باری تعالیٰ سے بھی منسوب کئے جاسکتے ہیں اور پیغمبر آخر الزماں حضور سرور کائنات سے بھی! یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین کے نزدیک ان اشعار کے مخاطب حضور ہیں۔ تاہم اگر سارے بند کا احتیاط اور گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے چھٹے اور آخری شعر کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ معمہ حل ہو جاتا ہے۔ یہ شعر اس طرح سے ہے:
>
> تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے
> طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے
>
> اس شعر کے آخری مصرعے میں اقبال نے جو بات کہی ہے کھل کر کہی ہے اور ان کا مخاطب باری تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس بند کے تمام اشعار ایک وجود کے گرد ہی گھومتے ہیں اور ان میں ایک واضح تسلسل ہے اس لئے اس توجیہ کی ضرورت پیش آئی۔"(۱۹)

اردو تحقیق و تنقید میں خواجہ محمد زکریا کی ذات ایک ارفع مقام کی حامل ہے انہوں نے جس موضوع پر بھی خامہ فرسائی کی اس پر ایک مستحکم رائے قائم کی ہے۔ خواجہ محمد زکریا کی اہمیت اقبال شناسی میں بھی مسلمہ ہے۔ اقبالیات کی روایت میں انہیں ایک معتبر نقاد کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شہرہ آفاق کتاب "بال جبریل" کی آٹھ شروح لکھی جانے کے باوجود انہوں نے مزید اس موضوع پر شرح کی ضرورت کو محسوس کیا "تفہیم بال جبریل" اسی ضرورت کا حاصل ہے۔ یہ کتاب بزمِ قبال لاہور کے زیر

اہتمام ۹ نومبر ۲۰۰۲ء منظر عام پر آئی۔ بال جبریل کی متعدد شروح ہونے کے باوجود "تفہیم بال جبریل" کیوں لکھی گئی؟ اس کے بارے خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> "مذکورہ بالا آٹھ شرحوں میں یوسف سلیم چشتی اور غلام رسول مہر کی کاوشیں نسبتاً بہتریں تاہم دونوں میں توازن کی کمی ہے۔ چشتی کے ہاں بعض اشعار کی وضاحت بڑی عالمانہ ہے مگر بعض مشکل اشعار کو بالکل سرسری انداز میں نپٹا دیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض توجیہات غیر ضروری طول کلامی کی ذیل میں آتی ہیں۔ میر اخیال ہے طول کلامی تو کہیں نہیں مگر اختصار اس قدر ہے کہ وضاحتیں تشنگی کا احساس دلاتی ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ توازن قائم کیا جائے" (۱۹)

خواجہ محمد زکریا تفہیم بال جبریل میں جو توازن قائم کیا ہے اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے یوسف سلیم چشتی اور غلام رسول مہر کی تشریحات میں ایک درمیانی راستہ نکالا ہے بلکہ جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں وضاحت سے کام لیتے ہیں اور اختصار کی مثالیں بھی ملتی ہیں جو اہم بات تفہیم بال جبریل کے مطالعے سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ خواجہ محمد زکریا سابقہ تمام شارحین کی آراء سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور ان کا مدلل جواب بھی دیتے ہیں۔

"ذوق وشوق" کی شرح سے قبل نظم کی ہیئت اور بندوں کی تعداد ایک جملے میں بتانے کے علامہ اقبال کی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت اور دیگر اسفار اور مصروفیات کا مکمل احوال اجمال کے ساتھ بتایا گیا ہے، علامہ اقبال کی دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس اور اٹلی، فلسطین، فرانس اور جرمنی کے اسفار کے متعلق کئی تسامحات سامنے آئے ہیں اور کئی محققین نے عرق ریزی سے اس کی درستی بھی کی ہے مگر خواجہ زکریا اس معاملے میں بہت محتاط رہے ہیں، نظم کی ابتدا میں شیخ سعدی کے فارسی شعر کا ذکر تو دیگر شارحین نے بھی کیا ہے مگر خواجہ زکریا نے شعر کا مقام اور دیگر اشعار اور ان کا ملخص بھی دیا ہے۔ جس سے قائین کو اندازہ ہوتا ہے کہ بوستان سعدی کے ابتدائی حصے (سبب نظم کتاب) کے آخری شعر کو اقبال نے (سبب نظم ذوق وشوق) کے طور پر منتخب کیا ہے، نظم کی فرداً فرداً شرح سے پہلے نظم کا مختصر خلاصہ کیا ہے، لغت کرتے وقت الفاظ کے معنی کی مثالیں دیکھئے (طیلساں = کھلا لباس جو عام لباس کے اوپر پہنتے ہیں، کوہ اضم = وہ پہاڑی سلسلہ جس کی وادی میں مدینہ آتا ہے) لغت کا یہ انداز اور وضاحت اس سے قبل کے شارحین سے منفرد ہے نیز شرح کے دوران حواشی وتعلیقات بھی قائم کیے ہیں یعنی مدلل اور محققانہ طرز میں لکھی گئی ہے، ایک شعر (عقل ودل ونگاہ۔۔۔۔ بتکدہ تصورات) کی شرح ملاحظہ ہو

> "اس بند میں پہلے اہل حرم کے جامد خیالات کو سومنات کے بت قرار دیا گیا تھا اب واضح طور پر کہا کہ مسلمانوں میں عشق کا جذبہ ختم ہو گیا ہے۔ یعنی عشق خدا و رسول اور عشق عقائد۔ اس لیے اب مسلمانوں کے ہاں ان کے نظریات اور تصورات بتوں کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ وہ اپنے باطل خیالات اور بے عمل زندگیاں چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ عقل دل اور نگاہ میں تازہ اور حیات آفریں احساسات عشق سے پیدا ہوتے ہیں۔ عشق وہ پہلا مرشد کامل ہے جو انسانوں میں

زندگی بخش احساسات پیدا کرتا ہے اور انھیں از سر نو راہ عمل پر چلاتا ہے۔"(۲۰)

خواجہ حمید یزدانی کی شرح ذوق وشوق میں مدرسانہ اور تدریسی انداز ہے استاد جیسے بعض اشعار کی تعبیر میں متعدد شعری حوالے دیتے ہیں خواجہ صاحب نے بھی تمام نہیں تو کچھ اشعار میں ایسا کیا ہے، کہ شعر کے مفہوم کی تعبیر کے لیے متعدد فارسی اشعار کے حوالے دیے ہیں بلکہ بعد فارسی اشعار لے حوالے کے ساتھ ان کا منظوم ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے گو کہ یاس کو محققانہ انداز شرح بھی کہا جاسکتا ہے پہلے بند کے دوسرے شعر (حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پردہ وجود۔۔۔ دل کے لیے ہزار سوداک نگاہ کا زیاں) کی شرح میں تو خواجہ صاحب نے سادگی سے کہا ہے "اس منظر سے حسن ازل گویا بے نقاب ہو رہا ہے اور وجود کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ یہ نظارے دیکھنے کے لیے ایک نظر کے نقصان میں ہزاروں فائدے موجود ہیں۔ یعنی ایسے منظر پر توجہ سے انسان خدا کی قدرت کا قائل ہو جاتا ہے"(۲۱)

شرح اشعار کے حوالے سے مناسب ترین ہے مگر دو الفاظ (حسن ازل کی نمود اور چاک ہے پردہ وجود) کی وضاحت کے لیے شیخ سعدی کے ایک شعر کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ یہ سورۃ یونس کی آیت ۶ کی وضاحت ہے، پھر اس سے مماثل، بو علی قلندر،، فیضی، فغانی، جامی، اور احمد ندیم قاسمی کے اشعار دیے گئے ہیں، ایک اور شعر (خونِ دل وجگر سے ہے میری نوا کی پرورش۔۔۔ ہے رگ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو)

"میری نوا (شاعری) کی پرورش دل وجگر کے خون سے ہوتی ہے۔ ساز کی رگوں میں صاحبِ ساز کا لہو دوڑ رہا ہے۔ مطلب میری شاعری میں میرے دل کا سوز وگداز ہوتا ہے محض عام شاعری یا گل وبلبل اور زلف ورخسار والی شاعری نہیں ہے" (۲۲)

اپنی شاعری کے بارے میں کیے گئے دعوؤں میں یہاں متعدد شعرا کے اشعار حوالے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں مثلاً میری، ابوطالب کلیم، فیضی، میر تقی میر، نظام اور حالی وغیرہ نے شاعری اور اپنی شاعری اور اس کے تخلیقی عمل کے متعلق جو کچھ فرما رکھا ہے حوالے کے اشعار کے طور پر سب شامل کیے گئے ہیں، اسی طرح (فرصت کشمکش مدہ ایں ودل بے قرار را---یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار) کی دل لبھانے والی شرح کے ساتھ ایسی کئی شعری حوالے دیے گئے ہیں، نظم کے سب سے آخری اشعار کی شرح بھی کمال کی ہے۔ (گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہائے ہو فراق۔۔۔۔ موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق)

"ہجر و فراق ہی کی بدولت آرزو کی گرمی برقرار رہتی ہے اور ہجر ہی سے عاشق نالہ و فریاد کرتا اور اس میں ایک خاص لذت پاتا ہے۔ موج اور قطرے کے استعارے سے ہجر و فراق میں بیقراری کی لذت کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ موج ہر وقت جدائی کی تلاش میں بیقرار رہتی ہے۔ (اس کا بار بار اٹھنا گویا اس کی مذکورہ بیقراری کے باعث ہے۔) کچھ یہی حالت قطرے کی ہے اس کا وجود اسی وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک وہ سمندر میں نہیں ملتا۔ یہ جدائی ہی اس کی آبرو کا سامان بنتی ہے۔"(۲۳)

حوالہ جات

۱۔ غلام رسول مہر، مولانا، 'مطالبِ بالِ جبریل' شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص:۳

۲۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع یازدہم، ۲۰۱۳، ص:۴۳۸

۳۔ غلام رسول مہر، مولانا، 'مطالبِ بالِ جبریل، ص:۱۵۱

۴۔ محمد اقبال، علامہ، 'کلیاتِ اقبال، ص:۴۳۸

۵۔ غلام رسول مہر، مولانا 'مطالبِ بالِ جبریل، ص:۱۵۱

۶۔ محمد اقبال، علامہ، 'کلیاتِ اقبال، ص:۴۳۸

۷۔ غلام رسول مہر، مولانا 'مطالبِ بالِ جبریل، ص:۱۵۱

۸۔ اختر النساء، ڈاکٹر، شروح کلام اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۱۶۹

۹۔ غلام رسول مہر، مولانا 'مطالبِ بالِ جبریل، ص:۱۵۳

۱۰۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، پیش لفظ، تفہیم بال جبریل، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۰۲ء

۱۱۔ یوسف سلیم چشتی پروفیسر، شرح بال جبریل، عشرت پبلشنگ ہاؤس، انارکلی لاہور، ص:۵۴۲

۱۲۔ ایضاً، ص:۵۵۴

۱۳۔ نشتر جالندھری، ابو نعیم عبد الحکیم، موج سلسبیل، حاجی فرمان علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص:۲۱۰

۱۴۔ سید محمد عبد الرشید فاضل (ایم اے)، ادارہ تنویراتِ علم وادب کراچی۔ ۱۹۷۰ء ص:۳۱۹

۱۵۔ عارف بٹالوی، ڈاکٹر، شرح بال جبریل، نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ۱۹۷۸ء، ص:۱۳۱

۱۶۔ فیض محمد جالندھری، لذت پرواز، آزاد بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۵، ص:۱۷۶

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۷۹

۱۸۔ اسرار زیدی، بال جبریل (شرح)، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص:۱۹۳

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۹۷

۱۹۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، تفہیم بال جبریل، (پیش لفظ)

۲۰۔ ایضاً، ص:۳۰۲

۲۱۔ خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر، شرح بال جبریل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۱۶۴

۲۲۔ ایضاً، ص:۱۶۹

۲۳۔ ایضاً، ص:۱۷۳

References in Roman script:

1. Ghulam Rasool Mehr. Matālib-e-Bāl-e-Jibrīl. Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons Publishers, 1972, p. 3.
2. Muhammad Iqbal. Kulliyāt-e-Iqbal. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 11th ed., 2013, p. 438.

3. Mehr, Ghulam Rasool. Matālib-e-Bāl-e-Jibrīl, p. 151.
4. Iqbal, Muhammad. Kulliyāt-e-Iqbal, p. 438.
5. Mehr, Ghulam Rasool. Matālib-e-Bāl-e-Jibrīl, p. 151.
6. Iqbal, Muhammad. Kulliyāt-e-Iqbal, p. 438.
7. Mehr, Ghulam Rasool. Matālib-e-Bāl-e-Jibrīl, p. 151.
8. Akhtar-un-Nisa. Sharūḥ-e-Kalām-e-Iqbal. Lahore: Bazm-e-Iqbal, 2015, p. 169.
9. Mehr, Ghulam Rasool. Matālib-e-Bāl-e-Jibrīl, p. 153.
10. Khwaja Muhammad Zakariya. “Preface.” In Tafhīm-e-Bāl-e-Jibrīl. Lahore: Bazm-e-Iqbal, 2002.
11. Yousuf Saleem Chishti. Sharḥ-e-Bāl-e-Jibrīl. Lahore: Ishrat Publishing House, Anarkali, p. 542.
12. Chishti, Yousuf Saleem. Sharḥ-e-Bāl-e-Jibrīl. Lahore: Ishrat Publishing House, 1989, p. 554.
13. Nishtar Jalandhari and Abu Naeem Abdul Hakim. Mauj-e-Salsabīl. Lahore: Haji Farman Ali & Sons, n.d., p. 210.
14. Syed Muhammad Abdul Rasheed Fazil. Sharḥ-e-Bāl-e-Jibrīl. Karachi: Idara Tanwirat-e-Ilm-o-Adab, 1970, p. 319.
15. Arif Batalvi. Sharḥ-e-Bāl-e-Jibrīl. Lahore: New Book Palace, Urdu Bazar, 1978, p. 131.
16. Faiz Muhammad Jalandhari. Lazzat-e-Parwāz. Lahore: Azad Book Depot, 1995, p. 176.
17. Ibid., p. 179.
18. Asrar Zaidi. Bāl-e-Jibrīl (Sharḥ). New Delhi: Islamic Book Foundation, 2000, p. 193.
19. Ibid., p. 197.
20. Zakariya, Khwaja Muhammad. Tafhīm-e-Bāl-e-Jibrīl (Preface).
21. Ibid., p. 302.
22. Khwaja Hamid Yazdani. Sharḥ-e-Bāl-e-Jibrīl. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2005, p. 164.
23. Ibid., p. 169.
24. Ibid., p. 173.